میر قمر الدین منّت

از جناب ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی (کنٹب) پروفیسر دہلی یونیورسٹی

منت سید عبد اللہ مشہدی المشتہر بہ امام ناصر الدینؒ کی اولاد تھے۔ ان کی نسبت فارسی کی ایک قدیم قلمی تاریخ میں یہ لکھا ہے کہ امارت اسلام سے پیشتر گھوڑوں کے تاجر بن کر ہندوستان میں آئے۔ اور سونی پت میں جہاں اب مزار ہے اسی مقام کے قریب شہادت پائی۔ بقیۃ السیف عزیز اور رفیق ہندوستان سے واپس جاکر ایران میں شہر مشہد میں آباد ہوئے۔ ان کی اولاد ہندوستان میں آئی تو سونی پت میں مزار کے قریب مشہد نام محلہ بسایا۔ اس نام میں دونوں رعائتیں ہیں یعنی ایران کے شہر مشہد کی یاد بھی اس سے تازہ کی اور اپنے جد امام ناصر الدینؒ کی شہادت کو بھی نہیں بھولے۔ [۱]

منت کا نسب از روئے تذکرہ روز روشن چودہ واسطوں سے سید جلال الدین عضد یزدی سلطان مظفر کے وزیر تک پہنچتا ہے۔

منت کی ولادت ان کے وطن سونی پت میں ہوئی۔[۲] رسالہ تہذیب کلام کے دیباچہ میں منت نے اپنا نام، باپ دادا کا نام اور نسب ذیل کے الفاظ میں بتایا ہے "حقیر کثیر التقصیر قمر الدین ابن ثناء اللہ ابن مولوی حامد الحسینی الناصری الامبی المشہدی السونی پتی الدہلوی المتخلص بہ منت"

---

[۱] بانکی پور لائبریری فہرست جلد سوم ص ۲۴۴ غلطی سے ان کا شاہجہان آباد میں توطن اختیار کرنا بتاتی ہے۔ امام ناصر الدین کا ایک مزار جالندھر میں بھی ہے اور علی گڈھ میں بھی شہر سے ایک میل پر ہے۔ [۲] فہرست بالا ان کی ولادت دہلی میں ہونا بتاتی ہے۔ یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ یہی غلطی ایتھے نے انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ کے ذیل میں کی ہے۔

سونی پت مضافات دہلی میں کوئی پندرہ ہزار آدمیوں کی بستی ہے۔ گو یہاں کے سادات کا تعلق اکثر شاہی دربار سے رہا لیکن ان میں سے بہت کم مشہور ہوئے۔ عہد مغلیہ سے پیشتر ان میں سے زیادہ تر اصحاب دربارِ شاہی میں کافی رسوخ رکھتے تھے اور ان میں سے اکثر مہرولی یا اس کے قرب و جوار میں مدفون ہیں چنانچہ انہی میں ایک بزرگ سید محمود بہاری ہیں جن کا مزار مہرولی کے راستے میں سڑک سے ہٹ کر بائیں طرف کچھ فاصلے پر واقع ہے میں نے ایک بزرگ کی زبانی یہ بھی سنا ہے کہ شمس العلماء منشی ذکاء اللہ صاحب کی اہلیہ محترمہ سید محمود بہاری سے بہت عقیدت رکھتی تھیں۔

سید ناصر الدین شہید کے مزار کے اخراجات کے لئے شاہانِ تغلق کے زمانہ سے کچھ زمینیں وقف تھیں۔ اس وقف نامے کی تجدید و تصدیق محمد شاہ رنگیلے کے زمانے میں ہوئی اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ ذاتی رسوخ یا دوسروں کی سعی و سفارش سے سونی پت کے سادات کی رسائی شاہی دربار تک تھی۔

سونی پت میں شرفا یا تو کوٹ پر آباد ہیں یا سادات کے دو چار گھر محلہ شہد میں ہیں۔ کوٹ پر تین محلے ہیں۔ ایک قاضی زادوں کا۔ چونکہ ان میں سے ایک صاحب علیم الدین کو کبھی اس قصبہ اور مضافات کا قاضی مقرر کیا تھا، ان کی اولاد قاضی زادوں کے نام سے مشہور ہوئی۔ دوسرا محلہ پیرزادوں کا ہے تیسرے محلے میں بختیاری افغان[1] ہیں۔

قاضی زادوں اور پیرزادوں میں مدت سے باہمی قرابت اور رشتہ داری رہی ہے۔ شہر سے باہر ان کے تعلقات زیادہ تر پانی پت میں مولانا حالی مرحوم اور دوسرے خاندانوں کے ساتھ رہے ہیں۔ دہلی میں حضرت شاہ ولی اللہ اور حضرت شاہ عبدالعزیز قدس سرہما جیسے بزرگ اور باکمال حضرات کے خاندانوں میں شادی بیاہ کرتے رہے ہیں اس سے

---

[1] اگرچہ یہ مشہور افغان ہیں مگر ایک زبانی روایت کے مطابق جو ان میں پشتہا پشت سے چلی آتی ہے۔ یہ ان بزرگوں کی اولاد ہیں جو ہمایوں کے ہمراہ ایران سے آکر ہندوستان میں آباد ہوئے۔ بہارلو قبیلہ کے ترکمان قدیم خاندانی تعلقات کی بنا پر بیرم خاں کے ہمراہ اس ملک میں آئے۔ اس بات کا ذکر مآثر رحیمی میں موجود ہے لیکن بختیاریوں کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

یہ نتیجہ نکالا جا سکتا ہے کہ پرانے زمانے میں رشتہ ناتہ کرتے وقت چونکہ کفو اور خاندانی روایات اور رسم و رواج کا خاص خیال رکھتے تھے اس لئے سادات سونی پت علوم دین اور علوم باطن سے بھی باخبر ہوں گے اور اس زمانے میں تھا بھی انہی علوم کا رواج، نیز عام طور پر علم کی تعریف جو حضور سرور کائنات سے منسوب ہے یعنی العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان۔ اس کا بھی زمانہ کی ضرورت اور رواج کی بنا پر یہی تقاضا تھا کہ زیادہ تر توجہ انہی علوم پر صرف کی جائے۔

اقوال بالا کی تصدیق خود منت کی ایک مشہور تالیف شکرستان سے ہوتی ہے، یہ کتاب گلستاں کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ شکرستان کے چھٹے باب میں منت نے اپنے بعض اسلاف کا ذکر کرتے ہوئے مختصر مگر صاف الفاظ میں اپنے اور ان کے رشتہ کی وضاحت کی ہے۔

احادیث کی جانچ پرکھ پر منت کے ایک بھائی نے خود ان کی فرمائش پر ایک مختصر سا رسالہ بھی لکھا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ میرے پاس ہے۔ اس کے دیباچہ میں مولف نے اپنا نام تو ظاہر نہیں کیا لیکن منت اور ان کی فرمائش کی وضاحت موجود ہے۔ آگے چل کر وہ مسند امام احمد کے بارے میں اپنے والد کی رائے تحریر کرتے ہیں۔ پھر ایک مقام پر لکھتے ہیں "و برائے فہم معانی احادیث و دفع تعارض من بینہا حضرت والد ماجد قدس سرہٗ قواعد عجیبہ و فوائد غریبہ تنسیق فرمودہ اند" شاید یہی تالیف ہے جس کا ذکر ہمیں ان الفاظ میں آگے چل کر ملتا ہے "بقی اسانید تنوعہ و وجوہ ثلاثہ بہ کتاب حوالہ[1] بہ کتب الارشاد الی مہمات الاسناد تصنیف حضرت والد ماجد قدس سرہٗ ۔۔۔ والد ماجد آنزبر شیخ محمد و فداللہ کی تمامہ گذرانیدند و ایشاں بر والد خود شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مغربی۔۔۔ شیخ ابن سلیمان در کتاب صلۃ[2] الخلف مذکور است۔"

زمانے کی روش سمجھئے یا وجہ ۔۔ ن کا ذوق ۔۔ س زمانے میں کہ مسلمان تصوف اور درویشی کی چاشنی سے آشنا تھے، نیز چونکہ جناب رسالتمآب نے اپنے بارے میں فرمایا ہے کہ الفقر فخری آپ کی ورد ۔۔۔

---

[1] اصل میں "بر" ہے۔ [2] اصل میں "صلہ" ہے۔

کثیر تعداد نے درویشی اور تصوف کو اپنے اوپر لازم کر لیا، اب منت کے بعض اسلاف و اجداد کے حوالے سنئے جو شکرستان میں آئے ہیں۔ ان میں ایک صاحب سید عبدالغنی نامی تھے۔ یہ اکبر کے ہم عصر ہوں گے .... ان کے بارے میں ایک بزرگ خواجہ ہاشم جو اصحاب شیخ الاجل حضرت احمد مجدد الف ثانیؒ میں سے تھے اپنے شیخ یعنی حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مقامات میں خود ان کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ میرے والد حضرت شیخ عبدالاحدؒ سرہندی سید عبدالغنی کی ملاقات کے بہت مشتاق تھے جو قصبہ سونی پت کے ایک کامل اور سن رسیدہ بزرگ تھے پھر منت سید عبدالغنی کا ایک واقعہ قلم بند کر کے اپنے اور ان کے رشتے کی یوں وضاحت فرماتے ہیں کہ "جناب سید عبدالغنی کہ صاحب ایں قصہ است جد ہشتمی مولف است"

اورنگ زیب کے ہم عصر ایک بزرگ سید یوسف تھے جو اکثر بادشاہ کے ہمراہ رہتے تھے۔ ان کے بارے میں منت لکھتے ہیں "کہ سلطان اورنگ زیب کہ زینت اورنگ دین و داد بود سید یوسف را کہ از بنی اعمام جد ماجد مولف است عفی عنہ بغایت احترام کردے روزے فرمود . . .

منت نے اپنے ایک تیسرے بزرگ "شمس الحق والحقیقۃ مقنن قوانین طریقت عارف اوحد سیدی ابوالرضا محمد قدس سرہ الامجد" کا ذکر بھی کیا ہے اور ذاتی رشتے کی وضاحت ان الفاظ میں کی ہے "جد جد ہمیں[1] مولف است" ان کے روحانی کمال کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "آیتے بود از آیاتِ الٰہی"۔ یہ بزرگ بایزید ہندی کے ہم عصر تھے جو "اللہ گو" کے نام سے مشہور تھے۔

منت کے آخری بزرگ جن کا انھوں نے شکرستان میں حوالہ دیا اور ذکر کیا ہے۔ حضرت

---

[1] یہ لفظ اصل میں مخدوش ہے۔ خزینۃ الاصفیاء اص ۵۰۰ قاضی ابو رضا ساکن سوہن پت" نے مولانا فخر الدین فخر جہاںؒ شاہ جہاں آبادی کی توجہ اور فیضِ نظر سے تپ دق سے شفا پائی۔ منت نے ان کو ضرور دیکھا ہوگا کیونکہ یہ تو حضرت مولانا فخر الدین کے مرید تھے، ان کا ذکر خزینۃ الاصفیا میں موجود ہے (۵۰۰ - ۴۹۸) صاحبِ کرامات تھے، مریدوں کی تعداد بھی زیادہ تھی - ۱۱۹۹ ہجری نبوی میں آپ کا وصال ہوا۔

شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی ہیں۔ اب سنئے منت ان کا حال کس طرح کہتے ہیں "کمال الحق عبدالعزیز چشتی قدس سرہٗ کہ جد بعض امہات مولف است عفی عنہ از مشاہیر عرفا و اعلام علما است" ان الفاظ سے بین طور پر ثابت ہو جاتا ہے کہ منت کی نہیال حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا خاندان تھا۔

منت کی ولادت ان کے وطن سونی پت میں ۱۱۵۹ھ ہجری میں ہوئی۔ تذکرہ تاج الافکار کا بیان[۱] جو بانکی پور لائبریری کی فہرست کی تیسری جلد میں نقل کیا گیا ہے وہ بظاہر غلط ہے کیونکہ منت کا انتقال ۱۲۰۸ھ ہجری میں انچاس سال کی عمر میں ہوا جس پر سب اہل تذکرہ متفق ہیں۔ بانکی پور لائبریری کی فہرست کی تیسری جلد میں منت کے ترجمہ میں لکھا ہے کہ اوائل عمری میں باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا۔ اس لئے ان کی تربیت ان کی خالہ نے کی جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی بیوی تھیں۔ بظاہر یہ بیان بھی سقیم ہے کیونکہ خود منت حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو "جد بعض امہات مولف" لکھتے ہیں۔ اس ثبوت کے ہوتے ہوئے یہ قول تسلیم نہیں کیا جاسکتا ہاں اس میں کلام نہیں کہ منت کی تربیت حضرت شاہ ولی اللہؒ کے خاندان میں ہوئی۔ یہی بیان صاحب تذکرہ روز روشن کا ہے۔[۲]

یہ بات قابل غور ہے کہ جہاں منت نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا نام اپنے بزرگوں میں گنوایا ہے وہاں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ذکر بھی نہیں کیا۔ مگر ان کی خاموشی سے کچھ فرق نہیں پڑتا کیونکہ خاندان تو ٹھیرا ایک یہ پتہ نہیں نہ بتائیں درحقیقت اس پر کیا اثر پڑ سکتا ہے۔ اس قریبی رشتہ داری کی وجہ سے منت کی بود و باش زیادہ تر دلی میں رہی۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ اکثر ان کے وطن یعنی سونی پت بھی جاتے رہتے تھے۔ بلکہ بعض بزرگوں کا بیان یہی ہے کہ شاہ صاحب نے سر الشہادتین سونی پت ہی میں بیٹھ کر تصنیف فرمائی تھی۔ منت نے حدیث اور تفسیر شاہ صاحب کی خدمت میں پڑھی۔ چونکہ جس ماحول میں ان کی تربیت ہوئی وہ قال اللہ اور قال الرسول کی صداؤں سے پر تھا۔ اس لئے روحانی تربیت

---

[۱] اس کی رو سے منت کا سن ولادت ۱۱۶۵ھ / ۱۱۴۳ ہے [۲] صفحہ ۶۵۲

بھی فیضیاب ہوئے۔ اس کے لیے انھوں نے حضرت مولانا فخرالدین فخر جہاں شاہ جہاں آبادی کے دست حق پرست پر بیعت کی۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کو منت شکرستان ہیں از راہ ادب فخر الانام دام ارشادہ کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔ ان کے ایک ہم عصر صاحب مجموعہ نغز کے الفاظ سے توصاف یہ پایا جاتا ہے کہ یہ نہ صرف حضرت فخر جہاں کے مرید تھے بلکہ ان کو خلافت بھی عطا ہوئی تھی جو ان کی باطنی بزرگی اور کسبِ فیض پر دال ہے۔ یہی نہیں بلکہ حضرت فخر جہاں کی نسبت تو یہ بھی کہنا پڑتا ہے کہ ان میں ذرے کو آفتاب بنانے کا ملکہ تھا۔ بہرکیف منت مرحوم اور ان کے اعقاب فخریہ کہہ سکتے ہیں۔

گرچہ خردیم نسبتے است بزرگ ذرۂ آفتاب تابانیم

منت کی ہمہ گیر طبع کو دیکھیے ایک طرف حدیث و تفسیر کا درس تو ایک طرف ذکر و ورد اور روحانی کمال کا شوق اور اس پر مستزاد یہ کہ شاعری کا بھی چسکا چنانچہ فارسی کلام شمس الدین فقیر کو دکھا کر اصلاح لیتے تھے ریختہ کے لئے قیام الدین علی المتخلص بہ قائم کے پاس جاتے تھے۔ طرفہ یہ کہ انھوں نے شہرت پائی تو شاعری کی بدولت، گوشۂ عزلت یا کسی خانقاہ یا مدرسے میں بیٹھتے تو پتہ نہیں کیا بنتے۔ لیکن نوشتۂ تقدیر کو کون مٹا سکتا اور اس کے خلاف کون چل سکتا ہے۔

بانکی پور لائبریری کی فہرست کی جلد سوم میں ان کے ترجمہ میں اس بات کا بھی ذکر ہے کہ میر شمس الدین فقیر ان کے شاعری کے استاد (بلکہ کیا عجب کہ فارسی میں بھی ان کے استاد ہوں) ان کے رشتہ دار بھی تھے مگر فقیر شیعہ تھے یہ بات سب کو معلوم ہے۔ یا شیعہ نہیں تھے تو تفضیلی عقیدہ ضرور رکھتے تھے جیسا کہ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہے جو انھوں نے حدائق البلاغہ میں درج کیے ہیں۔ ساتھ ہی ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ منت خود عقیدۃً اہل سنت والجماعت گروہ سے تھے اس کی تصدیق ان کے بھائی کے ایک فقرے سے بھی ہوتی ہے۔ جو انھوں نے فنِ حدیث کے اپنے رسالے میں حوالہ قلم کیا ہے، اس سلسلے میں ایک دلچسپ اور قابلِ ذکر

---

۵ مجموعہ نغز۔ ج ۲ ص ۲۱۵

بات یہ بھی ہے کہ آج سونی پت کے سادات اور افغان سب کے سب باستثنائے چند افراد کے شیعی عقیدہ رکھتے ہیں مگر عقیدہ کے اختلاف نے ان کے باہمی تعلقات میں فرق نہیں آنے دیا۔ ممکن ہے کہ اس کی وجہ آپس کی رواداری اور دل آزاری سے گریز ہو۔ اور قلیل گروہ کی بے طاقتی اور بے بسی۔ مگر ہم یہ بھی پاتے ہیں کہ اختلاف عقائد کے باوجود قرابت کا سلسلہ منقطع نہیں ہوا اور محرم کی عزاداری میں دونوں گروہ شریک ہوتے رہے ہیں

ویسے اس بحث کو نہ چھیڑتا۔ مجھے ذاتی طور پر نہ اس مضمون سے دلچسپی نہ اس قسم کے مناقشوں سے غرض، جن کو اس سے لگاؤ یا اس کے ذریعہ ان کی کمائی ہے انہی کو یہ مبارک ہو۔ مگر چونکہ خود منت کی نسبت بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ منت سنہ ۱۱۹۱ھ میں لکھنؤ پہنچے تو وہاں جاکر شیعہ بن گئے۔[۵۰] اس لئے مجبوراً اس پر قلم اٹھانا پڑا۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ بعض باتیں خود منت کی تالیف شکرستان میں ایسی بھی ملتی ہیں جن سے اس خیال کی تائید نہیں ہوتی۔ یہ کیف صاحب مجموعہ نغز تو یہ بھی لکھتے ہیں کہ منت نے دیار شرقیہ میں جاکر نہ صرف تبدیل عقیدہ کیا بلکہ ایک رقاصہ سے متعہ بھی کیا اور مسی بھی ملنے لگے۔ جس سے مسی ملنے کا معیوب ہونا پایا جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ منت کے لئے خاص طور پر معیوب ہو۔ کیونکہ ان کی تربیت خاص مذہبی ماحول میں ہوئی۔ یا اس وجہ سے کبھی ذہن اعتراض ہو کہ یہ بہکے ہوؤں کا شیوہ تھا۔

مگر قدرت اللہ قاسم مولف مجموعہ نغز ساتھ ہی یہ بھی لکھتے ہیں کہ یقین نہیں آتا دہلی میں تو ان باتوں کو سوں دور رہتے تھے۔ اب رد صوفیہ میں ایک رسالہ بھی لکھا ہے۔[۵۱] پھر اس قول کی تائید و تقویت یوں بھی کرتے ہیں کہ ان کے بھائیوں کا بیان ہے کہ شیعوں کی طرح تقیہ کر لیا ہے۔[۵۲] مطلب یہ ہوگا کہ صرف ظاہری طور پر شیعہ ہوگئے ہیں لیکن اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تقیہ کا مسئلہ یا اصول تو حضرات شیعہ کا ہے منت کو شیعہ فرض بھی کر لیں تو انھیں تقیہ کرکے سنی بننا چاہیے تھا نہ کہ شیعہ۔ اس کے برخلاف یہ کہا جائے کہ وہ سنی تھے تو اس صورت میں ان کا تقیہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔ کیونکہ اب تو تقیہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ جہاں تک میری معلومات کا

---

[۵۰] مجموعہ نغز ج ۲ ص ۲۱۵ و روز روشن ۶۵۲۔ [۵۱] مجموعہ نغز ج ۲ ص ۲۱۶۔ [۵۲] ایضاً۔

تعلق ہے۔ تقیہ حضرات اہل سنت والجماعت میں سرے سے ہی نہیں۔ یہ بات دوسری ہے کہ حفظ یا مطلب برآری کے لئے کوئی سنی بھی اس اصول کو اختیار کرے مگر یہ اس کا ذاتی فعل ہوگا اس کے جواز میں یعنی تبدیل عقیدہ کے لئے کوئی مذہبی سند نہ ہوگی۔

مگر قاسم اور روز روشن کی تردید میں شکرستان میں دو تین باتیں ملتی ہیں۔ منت کے شیعی عقائد ہوتے تو وہ ان باتوں کو اس کتاب میں نہ لکھتے۔ اس ضمن میں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ شکرستان اس زمانہ کی تالیف ہے جب منت لکھنؤ میں تھے۔ اور وہ اس تالیف کو لے کر ایک انگریز رچارڈ جانسن[1] کے پاس تحفۃً لے جا رہے تھے کیونکہ ان سے ایک دوست نے کہا تھا کہ یہ پرانی رسم ہے کہ جب کسی امیر کبیر کے پاس جاتے ہیں تو خالی ہاتھ نہیں جاتے اپنی بساط اور استطاعت کے موافق کوئی نہ کوئی تحفہ ضرور ساتھ لے جاتے ہیں چونکہ تم شاعر ہو اور انشا پرداز کوئی تالیف یا تصنیف اچھا تحفہ ہوگی۔ منت نے شکرستان کے دیباچہ میں اس کتاب کی یہی وجہ تالیف بتائی ہے۔ مختصر یہ کہ منت شکرستان کے دیباچہ میں اس دوست کا نام ان الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ "سید حکما و حکیم السعادات سیدی وسندی میر محمد حسین۔

"سیدی وسندی" خاص طور پر قابل غور ہیں۔ نیز اس سے پیشتر حضرت فخر الدین کا ذکر ان الفاظ میں آتا ہے "ظل اللہ الممدود وحبل اللہ المتین مولانا وسیدنا محب النبی المعروف بفخر الدین دام ارشادہ فی العالمین" یہ ترکیبیں اور جملے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ منت نے اپنا عقیدہ لکھنؤ میں تبدیل نہیں کیا تھا اگر کیا بھی تو شاید کلکتہ جا کر جیسا کہ قدرت اللہ قاسم کی تحریر سے پتہ چلتا ہے۔

ان دو سندوں کے علاوہ شکرستان میں ایک اور سند مسخرے پن کی باتوں کے ذیل میں ملتی ہے مگر

---

[1] ایک دوسرے قلمی نسخہ میں شروع جانسن سے مگر دیکھئے ۱۷۲۳ ایٹے انڈیا آفس لائبریری کی فہرست مخطوطات بانکی پور لائبریری کی فہرست جلد سوم کے مطابق خود رچارڈ جانسن منت کو کلکتہ لے کر گیا۔ ایٹے بھی یہی کہتا ہے۔ گمان یہ ہے کہ لکھنؤ میں منت اس سے ملے ہونگے۔ دوستی کی بنا پر یا ان کی شاعری کی وجہ سے ربط ضبط ہو گیا ہوگا جس کی بدولت یہ کلکتہ پہنچے۔

میں اسے عمداً حذف کرتا ہوں کیونکہ یہ مسخرہ پن کی بات ہونے کے علاوہ مذہبی نوک جھوک یا اسی قبیل کی دوسری بات کا پہلو بھی لئے ہوئے ہے۔ نیز اس کے الفاظ کو دہرانے یا اس مقام پر نقل کرنے سے کوئی خاص فائدہ بھی نہیں اس لئے اس کو ترک کرنا بہتر سمجھتا ہوں۔ ہاں یہ جتا دینا ضروری ہے کہ منت شیعی عقیدہ رکھتے ہوتے تو ان کے قلم سے یہ لفظ کبھی نہ نکلتے۔ بلکہ میری رائے میں یہ الفاظ اس بات کا قوی ترین ثبوت ہیں کہ شکرستان کی تالیف اگر عقیدے کے تبدیل ہونے سے قبل کی ہے تو اس وقت تک منت نے اپنا عقیدہ تبدیل نہیں کیا تھا۔ بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ منت نے عقیدہ تبدیل کیا تو یہ بعد کا واقعہ ہے۔ منت کے قیام لکھنؤ سے اس کا کوئی تعلق نہیں مگر چونکہ اکثر تذکرہ نویس ذاتی معلومات کی بنا پر یا محض ایک دوسرے سے نقل کرکے یہی لکھتے چلے آئے ہیں کہ یہ سنی سے شیعہ ہوگئے تھے تو سر دست بغیر کسی دوسری قوی دلیل کے اس بیان کی فوری اور قطعی تردید بھی نہیں کی جاسکتی۔

ابھی منت دہلی ہی میں تھے کہ تعلیم سے فراغت پاکر اول اول نواب عماد الملک کے مصاحبوں میں داخل ہوئے۔ اس کے بعد حضرت مولانا فخر الدینؒ کے مریدوں کے زمرے میں شامل ہوئے۔ پھر جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے ۱۱۹۱ھ ہجری نبوی میں دہلی سے لکھنؤ کا سفر کیا۔ میر قدرت اللہ قاسم ہم سفر ہوئے۔۔۔ کفایت کے خیال سے دونوں نے ایک ہی گاڑی میں سفر کیا۔ لکھنؤ میں ایک صاحب میر محمد حسین[1] جن کو از جملہ فضلہ و ارباب ۔۔ خانہ بنایا گیا تھا ان کے نئے ساعی ہوئے۔ آصف الدولہ والی اودھ اور

---

[1] سید محمد حسین خان بہادر جلالت جنگ مقدم الدولہ [illegible] الملک اور ان کے بیٹے سید سرفراز حسین خاں کلکتہ میں واجد علی شاہ کی سرکار میں ملازم تھے [illegible] حسین مخلص تخلص کرتے تھے، کلام ان کا زیادہ تر نعتیہ ہے۔ صبح روشن ۲۹۵ غالباً یہ دونوں صاحبان واجد علی کے [illegible] لکھنؤ سے [illegible] قیاس بظاہر دور از کار معلوم ہوتا ہے کیونکہ منت کے مربی جو محمد حسین تھے ان کا انتقال واجد علی شاہ کے کلکتہ [illegible] موجود تھا۔ حضرت شیرانی صاحب مجموعہ نغز کے انڈیا آفس لائبریری کے ایک دوسرے قلمی نسخے سے نقل کرتے ہوئے [illegible] میرزا محمد فاخر مکین [illegible] دوسرے مخطوطہ میں لکھا ہے لیکن اصل نسخے میں مرزا محمد فاخر مکین کو [illegible] از جملہ فضلہ و ارباب [illegible] ظاہری بود حاشیہ پر اضافہ کیا گیا ہے شیرانی صاحب کے نزدیک مخطوطہ انڈیا آفس [illegible] تذکرستان کے دو قلمی نسخوں کی ہوتی ہے اور مجموعہ نغز کی صحت کا

نائب الریاست حیدر بیگ خاں اور راجہ ٹکیت رائے دیوان کی تعریف میں قصیدے لکھے انعام و اکرام سے بہرہ ور ہوئے۔

عماد السعادت صفحہ ۱۳۶ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ سرفراز الدولہ ناظم الملک مرزا حسن رضا خاں وزیر کے ایک دوست میر نعیم خاں کے رفیق میر حسین تھے۔ یہ نام پانچ سطروں میں تین مقام پر اس وضع سے آیا ہے لیکن چھٹی سطر میں کاتب نے میر محمد حسین لکھا ہے۔ نیز ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "میر حسین باشندۂ شاہجہاں آباد سید نعمت الٰہی بود" اس سے فوراً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ منت نے دہلی سے ترک وطن کر کے میر محمد حسین کا توسل اختیار کیا کیونکہ اس زمانہ میں بلکہ اس سے بیشتر اور پیشتر کیا آج کل بھی لوگ مسافرت کے عالم میں ہم وطنوں ہی کا دامن پکڑتے ہیں۔ رہی یہ بحث کہ یہ نام عمادت السعادت میں مغشوش ہے ممکن ہے کہ کاتب کے سہو کی وجہ سے یہ تین مقام پر میر حسین اور چوتھی جگہ میر محمد حسین یعنی صحیح لکھا گیا ہو۔ چونکہ یہ داروغہ کچہری تھے اور راجہ ٹکیت رائے ان کے نائب، ممکن ہے کہ یہی منت کے مربی بنے ہوں۔ بانکی پور لائبریری کی فہرست جلد سوم کی رو سے انھوں نے آصف الدولہ کے پیشکار کا دامن پکڑا۔ اس صورت میں بھی یہ قیاس صحیح معلوم ہوتا ہے۔

مختصر یہ کہ منت نے لکھنؤ میں والی ملک اور حیدر بیگ نائب الریاست[1] اور دیوان راجہ ٹکیت رائے[2] کی شان میں قصیدے لکھکر خوب نام بھی پیدا کیا اور کافی صلے بھی پائے۔ یہاں سے بنگالے کی طرف روانہ ہوئے غالباً مسٹر رچارڈ جانسن نے انھیں ادھر کھینچا ہوگا اور اسی کی وساطت سے نواب مرشد آباد کی سرکار میں پہنچے اب انھوں نے مدح سرائی اختیار کر لی تھی۔ سرکار مرشد آباد سے انعام پایا یہ واقعہ ۱۱۹۵ھ بمطابق ۱۷۸۰ء کا ہے۔ بلکہ

---

[1] حسن رضا خاں المخاطب سرفراز الدولہ ناظم الملک نواب آصف الدولہ کے وزیر کا نائب تھا۔ ایک شخص اسمٰعیل تاجر شوہ کا رسوخ جان برسٹو کے ہاں بہت تھا۔ ذاتی منفعت کی غرض سے اس نے حیدر بیگ کو اس منصب پر پہنچایا۔ اس سے پہلے حیدر بیگ کوڑہ جہاں آباد کے پرگنہ کا حاکم تھا عمادت السعادت ۸ - ۱۳۵ و سیر المتاخرین ج ۳ ص ۹۵۴ -

[2] یہ قوم کے سری واستو کایستھ، ابتدا میں نواب صفدر جنگ کے رسالہ دار حیدر بیگ خاں بنث پوری کے ملازم، پھر میر محمد حسین شاہجہاں آبادی کی جگہ داروغہ کچہری ہوئے، ترقی کی اور داد و دہش میں بہت نام پایا -

عمادت سعادت ج ۷ ص ۱۳۶ ۔ ببور

اس وقت ان کی عمر یعنی جب خلاصۃ الکلام کی تالیف ہوئی ہے ستائیس سال کی بتائی گئی ہے یہ بظاہر غلط ہے کیونکہ ان کا انتقال انچاس سال کی عمر میں ہوا ہے۔ ۱۱۹۵ھ/۱۷۸۰ء اور ۱۲۰۸ھ/۱۷۹۳ء میں جو ان کا سن وفات ہے کل تیرہ سال کا فرق ہے۔[1]

معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر رچارڈ جانسن منت کے حال پر بہت ہی مہربان تھے کیونکہ ان کی رسائی گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز تک انھیں صاحب کی کوشش کے دشوار تھی۔ منت نے وارن ہیسٹنگز کی مدح میں بھی قصیدہ سرائی کی اور انعام میں ملک الشعراء کا خطاب پایا۔ معلوم نہیں منت کے سوا اور کون سے شاعر ہوں گے جن کو دربار کمپنی سے ملک الشعرائی کا خطاب ملا ہو۔

منت کے ان دور دراز مقامات کے سفر کرنے سے ظاہر ہے کہ یہ سفر کی مشقتوں کے خاصے عادی تھے چنانچہ اب کے انھوں نے حیدرآباد کا سفر کیا۔[2] مجموعۂ نغز تو یہ بتاتا ہے کہ سفارت پر گئے تھے۔[3] غالباً کوئی سرکاری کام ہوگا اور اس کے لئے مسٹر رچارڈسن ہی کی کوششوں سے منتخب ہوئے ہونگے۔ غرض یہ کہ نواب نظام علی خاں نظام الملک آصف جاہ کی شان میں بھی قصیدہ لکھکر پیش کیا۔ دس ہزار روپیہ صلہ میں اور اس کے ساتھ ملک الشعرا کا خطاب زمرد کی مہر پر کندہ ہوکر ملا۔[4]

مشرقی دیار کی اس عزت افزائی سے ان کی ملک الشعرائی پر اب قطعی مہر ہوگئی۔ ان کی سخن پردازی کا اعتراف ہوا اور خراج تحسین ملا مگر تھے ایسے آبلہ پا کہ وہاں بھی نہ ٹکے اور الٹے لکھنو کو لوٹے وہاں میر محمد حسین کا انتقال ہو چکا تھا مگر ان کے لئے مربی موجود تھے۔ راجہ ٹکیت رائے نے انھیں اپنا ندیم بنایا اور ان کی کفالت اپنے ذمے لی۔[5] مگر یاروں میں جو چکر تھا وہ چین سے کب بیٹھنے دیتا تھا۔ دوبارہ پھر کلکتے کا رخ کیا اور ۱۲۰۸ھ ہجری میں انچاس سال کی عمر تھی کہ وہیں پیوند خاک ہوئے۔ کلکتہ کی کربلا کی زمین نے اپنی

---

[1] سرکار ... [illegible] [2] ... [illegible] [3] مجموعۂ نغز ج ۲ ص ۲۱۵ روز روشن ص ۴۵۳

[4] مجموعۂ نغز ... گلشن بے خار ص ۵۶ ... [illegible] [5] گلشن بے خار ص ۹۳-۹۴

آغوش میں لیکر ان کی سیادت کا حق ادا کیا اور ان کی غربت کو چھپایا سلہ

دوش می کشد آدمی را بزور   گلے آب و دانہ دگر خاک گور

میر حسن اپنے تذکرہ شعرائے اردو میں ممنون کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ انھوں نے لکھنؤ میں اپنے باپ منت کے ساتھ زندگی کا ایک حصہ بسر کیا اور انہی سے یعنی منت سے کسب فنون بھی کیا۔ سلہ کسی اور تذکرے میں یہ بات نظر سے نہیں گذری کہ منت اپنے ساتھ بیٹے کو بھی لے گئے تھے۔ مجموعہ نغز کا مولف ان کے ہمراہ دہلی سے لکھنؤ تک شریک سفر رہا لیکن اس بات کی طرف اس نے اشارہ بھی نہیں کیا۔ البتہ قیاس کہتا ہے کہ امرا کی قدردانی دیکھکر اور اپنی خوش حالی پر نظر کر کے منت نے بعد میں ممنون کو بھی اپنے پاس بلا لیا ہو۔ رہا کلکتہ کا سفر اس کے بارے میں قطعی پر کچھ نہیں کہہ سکتے کہ بیٹا سفر یا آخری وقت میں باپ کے پاس تھا یا نہیں۔

ممنون کے ترجمے سے صرف معدودے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں مگر اس کے ساتھ ان میں ایک طرح کا تناقض بھی پایا جاتا ہے مثلاً ان کی عمر تذکرہ صبح روشن کے مطابق آفتاب عالم تاب کی تالیف کے وقت ۶۵ سال تھی، ان کی اپنی تحریر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ منت کی ایک کتاب کا خاتمہ خود انھوں نے ۱۲۰۸ ہجری نبوی میں لکھا۔ اب یہ سوال اٹھایا جاسکتا ہے کہ ۱۲۰۸ ہجری میں ان کی عمر کیا ہوگی ممنون کے متعلق دوسری معلومات یہ ہیں کہ وہ ایک عرصے تک کوٹ قاسم کے فوجدار رہے اور جنرل اختر لونی کے زمانے میں تحصیلداری کے عہدے پر فائز تھے۔ سلہ

اس سلسلے میں ایک دلچسپ روش یہ بھی مشاہدہ میں آتی ہے کہ مصنف یا مولف لوگوں کی عمر کا اندازہ یا اس کو قلمبند کرنا اپنی تالیفات کے سن کے تحت میں کرتے تھے مثلاً اس سے پہلے آپ دیکھ چکے ہیں کہ خلاصۃ الکلام کی سن تالیف کو لیکر ایک نے منت کی عمر کا حساب کیا۔ اسی طرح دوسرے نے ممنون کی عمر کا تعین کیا

سلہ روز روشن ۶۵۳ سلہ گلشن بے خار ۳-۹۳ سلہ تذکرہ میر حسن ۱۶۱۔ سلہ صبح روشن ۴۵۴۔

انڈیا آفس لائبریری میں منت کا دیوان محفوظ ہے۔ اس میں قصائد، ایک مثنوی اور غزلیات ں ہیں۔[۱] بانکی پور لائبریری میں بھی دیوان یا کلیات کا نسخہ ہے جو غزلیات مخمسات (جو حافظ، سعدی ں اور مظہر کی غزلوں پر لکھے ہیں) مقطعات، قصائد، مثنوی، ترکیب بند، ترجیع بند اور واسوخت پر ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ ۳۰۰ سے زیادہ اوراق ہیں یہ کلام محفوظ ہے۔[۲] نیز انڈیا آفس کا مخطوطہ جزو کی حیثیت رکھتا ہے۔ دوسری بڑی بات یہ ہے کہ اصناف سخن پر قادر تھے۔ عام طور پر ان کا م ملتا نہیں ہے۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ یہ بحث ان کے فارسی کلام سے تعلق رکھتی ہے۔ اپنے م کی نسبت ان کا ذاتی بیان یہ ہے۔

دریں عمر دہ مثنوی گفتہ ام — بآئین وطرز نوی گفتہ ام

چو اشعار من در عدد می رسد — شمار قصائد بصد می رسد

بود شعر من در غزل سی ہزار — زیا نصد رباعی گرفتم شمار

یہ اشعار روز روشن میں ان کی تصنیف چمنستان سے نقل کئے گئے ہیں، اسی تذکرہ میں ان کی ن تصانیف کے نام بھی ملتے ہیں مثلاً معجز الکمال، مثنوی کا نام ہے جو اہلی شیرازی کی مثنوی سحر حلال جواب میں لکھی گئی۔ سحر حلال میں اہلی نے صنعت تجنیس کا التزام رکھنے کے علاوہ یہ بات بھی رکھی ہے ہر شعر دو قافیتین ہے، ورود دو بحروں میں پڑھا جا سکتا ہے منت نے بھی اسی کا تتبع کیا ہے[۳]

چمنستان بوستان کے جواب میں لکھی اسی طرح گلستاں کے جواب میں شکرستاں لکھی۔ حق یہ ہے کہ سعدی کی گلستاں کا جواب لکھنے کو ایک دو نے نہیں بلکہ کئی انشا پردازوں نے جواب لکھا مگر جواب جس فی الواقع جواب کہہ سکیں آج تک کسی سے بن نہ پڑے۔ پھر منت کی شکرستان کو لیکر کوئی کیسے محاکمہ یا موازنہ کر سکتا ہے ں یہ ضرور کہہ سکتے ہیں کہ اردو کی تصنیف میں یہ بھی شامل ہو گئے۔

---

[۱] ایتھے ص ۱۷۲۳ ۔ [۲] بانکی پور لائبریری فہرست ص ۳۰ ۔ [۳] روز روشن ص ۶۵۲

قصہ ہیر و رانجھا پنجاب کا مشہور قصہ ہے غنیمت نے نیرنگ عشق لکھی۔ آفرین لاہوری (المتوفی ۱۱۵۴ھ ۱۷۴۱ء) نے اسے فارسی میں نظم کیا۔ اس کا نام کہیں کہیں ناز و نیاز بھی آیا ہے ایک صاحب مقبول نامی نے اسے اردو کا جامہ پہنایا۔ گارسان دتاسی مشہور فرانسیسی مستشرق نے اپنی زبان میں اس کا ترجمہ کیا منارام منشی نے ۱۷۴۳ء ۱۱۵۷ھ میں اسے فارسی نثر میں لکھا منت نے اسی قصے کو فارسی میں نظم کیا۔ قصہ عشق ہیر رانجھا سے سن تالیف نکلتا ہے جو ۱۱۹۵ھ ہے، یہ مثنوی مسٹر رچارڈ جانسن کے نام سے معنون ہے[۵]۔ مثنوی کا ابتدائی شعر یہ ہے۔

خداوندا طلسم راز بکشاے بمن سر نیاز و ناز بنماے

اپنے نے ایک نظم کو مثنوی تصور کر کے اس کا پہلا شعر لکھا ہے یہ شعر مثنوی کی بحر میں نہیں ہے شعر حسب ذیل ہے

حبذا صانع صورت گر معنی پرداز کہ چنیں ریخت سراپاے تو در قالب ناز

منت کی ایک اور تصنیف بھی ہے جس کا نام تہذیب کلام ہے اس میں جو عربی عبارتیں مولف نے نقل کی ہیں ان سے ان کی عربی دانی کا پتہ چلتا ہے۔ اسی کتاب کا خاتمہ ان کے بیٹے نظام الدین ممنون فخر الشعرا نے لکھا ان کی تاریخ وفات اور کتاب کی تکمیل کی تاریخ کا اضافہ بھی کیا طوالت کے خوف سے صرف ان تاریخوں کے مصرعے یہاں نقل کرتا ہوں۔

تاریخ وفات قمر دین بخسوف آمدہ آمد!
۱۲۰۸

تاریخ تکمیل تہذیب کلام جواب آمد کہ تہذیب کلام است

اس دوسری تاریخ کے نیچے کاتب نے (جس نے اپنا نام نہیں لکھا) یہ الفاظ بھی لکھے ہیں۔ تمام شد نسخہ بموجب فرمائش میر صاحب میر نظام الدین فخر الشعرا۔ کیا عجب کہ یہ نسخہ ممنون کی ذاتی ملکیت ہو۔ مجموعہ نغز میں ذیل کی مختصر اردو غزل اور ایک شعر بطور نمونہ کلام دیے ہیں۔

---

[۵] اسپرنگر ص ۲۴۷۔

مدعی اس سے نہیں حرفِ زباں بوسی ہے پھر تمنا کو یہاں شوقِ قدم بوسی ہے
آہ اے کشتۂ داغِ غمِ خوباں کہ مدام صفحۂ سینہ پر از جلوۂ طاؤسی ہے
میری ہی طرح جگر خوں ہے ترا دستِ حنا اے حنا کس کی تجھے خواہشِ پابوسی ہے
تہمتِ عشق عبث کرتے ہیں مجھ کو منت ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو اک خو سی ہے
ہمت وہ جوش وہ طاقت وہ رکی آپ کو سوجھی نہایت دور کی

میر حسن نے ذیل کا شعر اپنے تذکرہ میں نقل کیا ہے۔

منت اپنے کو دل دیا تو نے اے مری جان کیا کیا تو نے

چونکہ ان کا کلیات یا دیوان سردست میسر نہیں اس لئے کلام پر تبصرہ یا رائے زنی کرنا عبث سمجھکر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

سیرت سید احمد شہیدؒ

حضرت سید احمد شہید رائے بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے رفقائے ذی شان کے سوانح حیات اور آپ کی جماعت کے عدیم المثال کارناموں پر ہماری زبان میں پہلی عظیم الشان کتاب جس میں ہندوستان کی سب سے بڑی اور اولی تحریک جہاد و تنظیم اور اصلاح و تجدید اور احیاء خلافت کی بھی مکمل تاریخ بیان کی گئی ہے۔

طبع ثانی جس میں بہت سے اہم اور غیر معمولی اضافے کئے گئے ہیں۔ اور جن کے بعد کتاب کی ضخامت بہت بڑھ گئی ہے تقطیع ۲۲×۲۹/۸ صفحات ۴۴۸۔ یہ ایڈیشن بھی ختم ہو رہا ہے۔ چند جلدیں باقی ہیں۔ موجودہ قیمت چار روپے۔

مکتبہ برہان دہلی قرول باغ